۲۱ر جنوری ۱۹۱۰ء

خطبہ جمعہ

حضور نے وَ الْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر:۲تا۴) کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

دو صحابی آپس میں ملتے تھے تو کم از کم اتنا شغل کر لیتے تھے کہ اس سورۃ کو باہم سنادیں۔ سو اس نیت سے کہ' وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ (التوبة:۱۰۰) کے ماتحت رضامندی کا حصہ مجھے بھی مل جاوے' میں بھی تمہیں یہ سورۃ سناتا ہوں۔

"عصر" کہتے ہیں زمانہ کو جو ہر آن گھٹتا جاتا ہے۔ دیکھو میں کھڑا ہوں۔ جو فقرہ بولا اب اس کے لئے پھر وہ وقت کہاں ہے؟ قسم ہمیشہ شاہد کے رنگ میں ہوتی ہے۔ گویا بدیہیات سے نظریات کے لئے ایک گواہ ہوتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کی عمر گھٹ رہی ہے جیسے کہ زمانہ کوچ کر رہا ہے۔ عصر کی شہادت میں ایک یہ نکتہ معرفت بھی ہے۔ زمانہ کو گالیاں نہیں دینی چاہئیں جیسا کہ بعض قوموں کا قاعدہ ہے۔ فارسی لٹریچر میں خصوصیت سے یہ برائی پائی جاتی ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے لَاتَسُبُّوا الدَّهْرَ (مسند احمد بن حنبل)۔ خدا جس کو گواہی میں پیش کرے وہ ضرور عادل ہے۔ زمانہ برا

نہیں۔ ہمارے افعال برے ہیں جن کا خمیازہ زمانہ میں ہم کو اٹھانا پڑتا ہے۔

"عصر" سے مراد نماز عصر بھی ہے۔ اس میں یہ بات سمجھائی ہے کہ جیسے شریعت اسلام میں نماز عصر کے بعد کوئی فرض ادا کرنے کا وقت نہیں اسی طرح ہر زمانہ عصر کے بعد کا وقت ہے جو پھر نہیں ملے گا۔ اس کی قدر کرو۔

"عصر" کے معنے نچوڑنے کے بھی ہیں۔ گویا تمام خلاصہ اس صورت میں بطور نچوڑ کے رکھ دیا ہے۔ غرض عصر کو گواہ کر کے انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ ایک برف کا تاجر ہے۔ جو بات لڑکپن میں ہے وہ جوانی میں نہیں۔ جو جوانی میں ہے وہ بڑھاپے میں نہیں۔ پس وقت کو غنیمت سمجھو۔

ائمہ نے بحث کی ہے کہ جو نماز عمداً ترک کی جاوے اس کی تلافی کی کیا صورت ہے؟ سو سچی بات یہی ہے کہ اس کی کوئی صورت سوائے استغفار کے نہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ اس "خسر" کی تلافی کے لئے فرماتا ہے کہ ایک تو ایمان ہو جس کا اصل الاصول ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اسی واسطے میری آرزو ہے کہ ہمارے واعظ اذان کے واعظ ہوں کہ وہ اسلام کا خلاصہ ہے۔ ایمان کیا ہے؟ اللہ کو ذات میں بے ہمتا' صفات میں یکتا' افعال میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ (الشوریٰ:۱۲) یقین کیا جاوے۔ چونکہ اس کے ارادوں کے پہلے مظہر ملائکہ ہیں اس لئے ان کی تحریک کو تسلیم کیا جاوے۔

برہمو جو قوم ہے یہ بڑے بری زبان کے لوگ ہیں۔ اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ میں حیران ہوتا ہوں جب لوگ کہتے ہیں کہ یہ بڑے اچھے ہوتے ہیں۔ یہ تو تمام انبیاء کو مفتری قرار دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی گالی کیا ہو سکتی ہے کہ خدا کے راستبازوں کو مفتری سمجھا جاوے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (الانعام:۲۲)۔ ایک برہمو سے میں نے انبیاء کے دعوائے وحی حق کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔ "دروغ مصلحت آمیز" جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس قوم کو انبیاء کی نسبت کیسا گندہ خیال ہے۔ یہ لوگ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت يُرْسِلَ رَسُوْلًا (الشوریٰ:۵۲) اور اس کے متکلم ہونے کے قائل نہیں اور ملائکہ ماننا شرک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ خدا نے انہیں عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (الانبیاء:۲۷) فرمایا ہے۔ اور جن پر وہ نازل ہوتے ہیں ان کی نسبت فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۱)۔

پھر جزا سزا کا ایمان ہے جو بہت سی نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ آپ تو ابدالآباد غیر منقطع عذاب کے قائل نہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آخر ہم بھی تمہارے ساتھ آملیں گے۔ بازار میں جا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ روپے لو اور دو جوت کھالو۔ نہ مجھے کوئی جانتا ہے نہ تمہیں۔ اس نے

قبول نہ کیا کہ میری ہتک ہوتی ہے۔ میں نے کہا پھر جہاں اولین آخرین جمع ہوں گے وہاں یہ بے عزتی کیسے گوارا کر سکو گے؟

پھر ایمان بالقدر تمام انسانی بلند پروازیوں کی جڑ ہے۔ کیونکہ جب یہ یقین ہو کہ ہر کام کوئی نتیجہ رکھتا ہے تو انسان سوچ سمجھ کر عاقبت اندیشی سے کام کرتا ہے۔ دیکھو اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ (مسلم کتاب الایمان) بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے اور اس سے انگریز قوم نے خصوصیت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پشاور سے کلکتہ تک رستہ صاف کیا تو کیا کچھ پایا۔ مسلمان اگر مسئلہ قدر پر ایمان مستحکم رکھتے تو ہمیشہ خوشحال رہتے۔ پھر جیسا ایمان ہو اسی کے مطابق اس کے اعمال صالحہ ہوں گے۔ نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج' اخلاق فاضلہ' بدیوں سے بچنا' یہ سب ایمان کے نتائج ہیں۔

پھر اسی پر مومن سبکدوش نہیں بلکہ اس کا فرض ہے کہ جو حق پایا ہے اسے دوسروں کو بھی پہنچائے اور اس حق پہنچانے میں جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرے اور صبر کی تعلیم دے۔ صوفیاء میں ایک ملامتی فرقہ ہے۔ وہ بظاہر ایسے کام کرتا ہے جس سے لوگ ملامت کریں۔ رنڈیوں کے گھروں میں کسی دوست کے سامنے چلے جائیں گے۔ وہاں جا کر پڑھیں گے قرآن شریف اور نماز مگر رات وہیں بسر کریں گے۔ حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر خود ملامتی فرقہ ہوتا ہے۔ جب مومن کسی کو بری رسوم و عادات کی ظلمت سے روکے گا تو تاریکی کے فرزندوں سے ملامت سنے گا۔ میرا حال دیکھ لو۔ کیا ملامتی فرقے والے مجھ سے زیادہ بدنام ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پس مومن کو کسی فرقے میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ حق کا مبلغ اور اس پر مستقل مزاجی اور استقامت سے قائم رہے۔ پھر وہ ہر قسم کے دنیا و آخرت کے خسران سے محفوظ رہے گا۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۱۵ -- ۳؍ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۱-۲)

☆-☆-☆-☆